مروّجہ نظام زمینداری اور اسلام (۳)

مزارعت اور اسلام

از قلم : مولانا محمد طاسین

یہاں تک نظام زمینداری کی ایک بنیاد یعنی زمین کی شخصی و انفرادی ملکیت پر بحث مکمل ہو چکی۔ اب میں اس کی دوسری بنیاد معاملہ مزارعت پر بحث شروع کرتا ہوں۔

بحث کے آغاز میں یہ عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ معاملہ مزارعت ایک متنازع اور مختلف فیہ معاملہ ہے جس کے جواز اور عدم جواز کے متعلق فقہاء اسلام کے درمیان اختلاف خیر القرون سے چلا آرہا ہے۔ مثال کے طور پر ائمہ مجتہدین میں سے بعض اس کے عدم جواز اور بعض اس کے جواز کے قائل تھے۔ دوسروں کا تو ذکر کیا خود امام ابو حنیفہؒ اور ان کے شاگردوں کے مابین اس کے جواز و عدم جواز سے متعلق اختلاف تھا، اور پھر یہ اختلاف اولیٰ و غیر اولیٰ اور راجح و مرجوح کی قسم کا اختلاف نہ تھا بلکہ صحت و بطلان اور حلال و حرام کا اختلاف تھا، جو حضرات اس کے عدم جواز کے قائل تھے وہ اسے اصولی اور بنیادی طور پر فاسد و باطل معاملہ سمجھتے اور اس کی کسی شکل کو صحیح نہ کہتے تھے جبکہ دوسرے حضرات اس کو اصولی و بنیادی طور پر صحیح معاملہ البتہ اس کی بعض شکلوں کو خارجی مفاسد کیوجہ سے فاسد و ناجائز سمجھتے تھے، گویا بعض کے نزدیک یہ معاملہ فی نفسہٖ حرام و باطل معاملہ اور

دوسرے بعض کے نزدیک بذاتہ یہ معاملہ حلال و صحیح معاملہ تھا۔ لہٰذا ان کے درمیان یہ اختلاف تضاد و تناقض کی طرح کا تھا جس میں دو مختلف باتوں سے ایک کو ماننے سے دوسری کا انکار اور ایک کی نفی سے دوسری کا اثبات لازم آتا ہے، اور پھر چونکہ فقہاء کے مابین یہ اختلاف اسلام اور قرآن و حدیث کے حوالے سے تھا یعنی جو حضرات معاملہ مزارعت کو ناجائز و باطل کہتے ان کا مطلب یہ تھا کہ اسلام اور قرآن و حدیث کی رو سے یہ ناجائز اور باطل معاملہ ہے اور جو اسے جائز اور صحیح کہتے ان کا مطلب بھی یہ تھا کہ اسلام اور قرآن و حدیث کی رو سے یہ معاملہ جائز و صحیح ہے اور ظاہر ہے کہ یہ تو ہو نہیں سکتا کہ ایک ہی معاملہ اسلام میں جائز بھی ہو اور ناجائز بھی، صحیح بھی ہو اور باطل بھی، حلال بھی ہو اور حرام بھی کیونکہ یہ کھلا ہوا تضاد اور عیب ہے جو کسی صحیح دین کی تعلیمات میں نہیں ہو سکتا۔ غرضیکہ اگر معاملہ مزارعت اسلام میں باطل و حرام ہے تو صحیح اور حلال نہیں ہو سکتا اور اگر جائز اور حلال ہے تو ناجائز و حرام نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا یہ ماننا پڑے گا کہ فقہا کے مذکورہ دو مختلف اقوال میں سے ایک قول صحیح اور اسلامی اور دوسرا قول باطل و غیر اسلامی ہے اور یہ کہ دو فریقوں میں سے ایک فریق حقیقت حال کو سمجھنے سے قاصر رہا اور اس نے غلطی کھائی ہے اور اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں کیونکہ مجتہد کی رائے کبھی خطا ہوتی ہے اور کبھی صواب اور خطا پر بھی اسے ایک اجر ملتا ہے۔ لیکن یہ کہ مذکورہ دو اقوال میں سے کونسا قول صحیح اور مطابق اسلام اور کونسا غلط اور خلاف اسلام ہے؟ اس کا تعین اگر ہو سکتا ہے تو صرف ان دلائل کے تحقیقی جائزے سے ہو سکتا ہے جو ہر فریق نے اپنے قول کی تائید و تصویب میں پیش کئے ہیں اور آج اس تعین کی اس لئے بھی ضرورت ہے کہ اس کے بغیر اسلام کے معاشی نظام کا تعین نہیں ہو سکتا جس کی آج نہایت شدت کے ساتھ ضرورت محسوس کی جا رہی ہے۔

آخری جملے کی وضاحت یہ ہے کہ آج مختلف معاشی نظاموں کی وجہ

سے دنیا کے جو حالات ہیں ان کا تقاضا بھی یہی ہے اسی طرح آج ہماری جو نئی تعلیم یافتہ اور ذہین نسل ہے اس کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اسلام کے معاشی نظام کو علمی و نظری طور پر ایک متعین شکل میں پیش کیا جائے اور ساتھ ہی یہ بھی بتلایا جائے کہ اسلام کا معاشی نظام، سرمایہ دارانہ معاشی نظام اور اشتراکی معاشی نظام سے بنیادی طور پر کیسے مختلف اور افادی طور پر کیسے بہتر و افضل ہے۔

لیکن اسلام کے معاشی نظام کو ایک متعین شکل میں اس وقت تک نہیں پیش کیا جا سکتا جب تک منجملہ بعض دوسرے معاملات کے 'معاملہ مزارعت' کے متعلق یہ متعین نہ ہو جائے کہ یہ اسلام میں ایک جائز و درست معاملہ ہے یا ناجائز و نادرست معاملہ۔ کیونکہ اس معاملہ کے جائز ہونے کی صورت میں اسلام کے معاشی نظام کی جو شکل بنتی ہے وہ اس شکل سے بالکل مختلف ہوتی ہے جو اس معاملہ کے عدم جواز کی صورت میں اسلام کے معاشی نظام کی بنتی ہے۔ پہلی صورت میں وہ نظام زمینداری جائز قرار پاتا ہے جو اعلیٰ اور ادنیٰ دو انسانی طبقوں پر مشتمل ہوتا اور طرح طرح کی برائیوں کو جنم دیتا ہے اور جو اپنی بے شمار اور گوناگوں برائیوں کی وجہ سے قابل نفرت اور مردود قرار پا چکا ہے اور دوسری صورت میں ایک ایسا نظام زراعت وجود میں آتا ہے جس کے اندر کاشت کار ہی زمینوں کے مالک اور کرتا دھرتا ہوتے اور اپنے معاملات خود اپنی مرضی سے طے کرتے ہیں۔

بہر حال آج یہ کہہ دینا کہ مزارعت ائمہ مجتہدین میں سے فلاں امام کے نزدیک اصولی طور پر ناجائز و باطل اور فلاں امام کے نزدیک بنیادی طور پر جائز و حلال ہے، نہ صرف یہ کہ اسلام اور مسلمانوں کے لئے مفید نہیں بلکہ سراسر مضر و نقصان دہ ہے۔ لہٰذا علماء اسلام کا فرض ہے کہ وہ اجتماعی اجتہاد کے ذریعے یہ متعین و واضح کریں کہ اسلام میں مزارعت کی صحیح اور حقیقی پوزیشن وحیثیت کیا ہے؟ اگر علماء کرام از خود اس طرف توجہ نہیں دیتے تو باشعور اور باأثر مسلمان ان کو اس طرف متوجہ کر سکتے اور ان سے یہ اہم کام کرا سکتے

ہیں جو اسلام اور مسلمانوں کی خیر خواہی اور بھلائی کے لئے نہایت ضروری ہے۔ ورنہ اندیشہ ہے کہ ہماری نوجوان نسل اسلام اور علماء اسلام سے متنفر ہو کر کسی اور طرف چلی جائے اور ہم افسوس کرتے رہ جائیں۔

زیرِ نظر مضمون اسی مقصد کے حصول کے لئے ایک انفرادی کوشش ہے وہ کہاں تک کامیاب اور کہاں تک ناکام ہے اس کا فیصلہ وہی حضرات کر سکتے ہیں جو غیر متعصب ذہن کے ساتھ حقیقت پسند اور منصف مزاج واقع ہوئے ہیں اور استدلال کی خوبیوں اور خامیوں کو سمجھنے کی غیر معمولی صلاحیت رکھتے ہیں۔

مزارعت پر اس بحث کے آغاز میں، میں یہ واضح کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ اس بحث میں میرا مقصد نہ کسی خاص فقہی مسلک و موقف کی حمایت و تائید کرنا ہے اور نہ مخالفت و تردید، بلکہ یہ واضح کرنے کی کوشش کرنا ہے کہ قرآن و حدیث کی رو سے مزارعت ایک جائز و حلال معاملہ ہے یا ناجائز و حرام معاملہ؟ ظاہر ہے کہ اس سے لازماً ایک فقہی رائے کی حمایت و تائید اور دوسری رائے کی تغلیط و تردید ہو جائے گی جو میرا اصل مقصود نہیں ہے۔

مزارعت کی لُغوی حقیقت

مزارعت کے جواز و عدم سے متعلق دلائل کا جائزہ لینے اور اس کی شرعی حیثیت متعین کرنے سے پہلے مناسب اور مفید ہوگا کہ اس کی لُغوی حقیقت پر کچھ روشنی ڈالی جائے۔

لفظ مزارعت باب مفاعلہ کا مصدر ہے جس کا مادہ مجرد یا زَرَاعَۃٌ ہے جس کے معنی ہیں زمین کو بونا اور کاشت کرنا۔ یا زَرْعٌ ہے جس کے تین معنے ہیں: الْإِنْبَاتُ بمعنی اُگانا، دوسرا طرح البذر فی الارض بیج زمین میں ڈالنا اور تخم ریزی کرنا، تیسرا انبات کل شئ ہر شے کی اُگی ہوئی فصل اور کھیتی۔ چنانچہ جب لفظ زَرْعٌ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو اس کے معنے اگانے کے ہوتے ہیں۔ کیونکہ اگانے کا فعل صرف اللہ تعالےٰ سے مختص ہے جو چیز بھی اُگتی ہے صرف اللہ تعالیٰ کے اُگانے سے اُگتی ہے۔ قرآن مجید کی سورۃ الواقعۃ میں ہے

اَفَرَاَیۡتُمۡ مَّا تَحۡرُثُوۡنَ ٥ ءَاَنۡتُمۡ تَزۡرَعُوۡنَهٗۤ اَمۡ نَحۡنُ الزّٰرِعُوۡنَ ٥

"بتلاؤ جو تم زمین کاشت کرتے ہو کیا تم اس میں کھیتی اگاتے ہو یا ہم ہیں اگانے والے یعنی اگانا تمہارا کام نہیں صرف اللہ کا کام ہے۔"

جب زرع کی نسبت انسان کی طرف ہو تو اس کے معنے زمین میں بیج ڈالنے اور تخم ریزی کرنے کے ہوتے ہیں جیسے اس حدیث نبوی میں:

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ زَرَعَ فِی ارض قوم بِغَیۡرِ اِذۡنِهِمۡ فَلَیۡسَ لَهٗ مِنَ الزَّرۡعِ شَیۡئٌ وَلَهٗ نَفَقَتُهٗ۔

"نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس نے دوسروں کی زمین میں بغیر ان کی اجازت کے تخم ریزی کی اس کے لئے کھیتی میں سے کچھ نہیں صرف اس کا خرچہ ہے۔"

اور جب زرع کی جمع زُرُوۡعٌ ہو تو اس سے تیسرا معنی مراد ہوتا ہے یعنی زمین میں اُگی ہوئی کھیتی اور فصل، جیسے سورۃ الدخان کی اس آیت میں ہے:

کَمۡ تَرَکُوۡا مِنۡ جَنّٰتٍ وَّ عُیُوۡنٍ وَّ زُرُوۡعٍ وَّ مَقَامٍ کَرِیۡمٍ ٥

"کتنے چھوڑے انہوں نے اپنے پیچھے باغات، چشمے اور کھیتیاں یعنی اُگی ہوئی فصلیں اور شاندار عزت والے مکان۔"

یا سورۃ الزمر کی اس آیت میں ہے:

ثُمَّ یُخۡرِجُ بِهٖ زَرۡعًا مُّخۡتَلِفًا اَلۡوَانُهٗ۔

"پھر وہ اللہ نکالتا ہے اس پانی کے ذریعے زمین سے مختلف رنگوں اور قسموں کی کھیتی۔"

چونکہ زرع بمعنے کھیتی مختلف قسم کی ہوتی ہے۔ مثلاً گیہوں کی کھیتی، دھان کی کھیتی، کماد کی کھیتی، کپاس کی کھیتی، سرسوں وغیرہ کی کھیتی۔ لہٰذا اس کی جمع زروع آتی ہے اور زرع کے پہلے اور دوسرے معنے کی چونکہ مختلف قسمیں نہیں ہوتیں لہٰذا ان کی جمع بھی نہیں آتی۔

غور سے دیکھا جائے تو ذرع کے مذکورہ تین معنوں میں سبب و مسبّب کا علاقہ پایا جاتا ہے اس طرح کہ تخم ریزی سبب ہے کھیتی اگانے اور فصل پیدا ہونے کا، جس طرح اگانا سبب ہے نباتات کے وجود میں آنیکا۔

اور چونکہ باب مفاعلہ کی اصل خاصیت مشارکت ہے یعنی دو اشخاص کا کسی فعل میں ایک دوسرے کے ساتھ شریک ہونا۔ لہٰذا مزارعۃ کے معنی ہوئے دو اشخاص کا زراعت یا زرع میں ایک دوسرے کے ساتھ شریک ہونا اور ظاہر ہے کہ جس معاملہ کو مزارعت کہا جاتا ہے اس میں بھی مالک زمین اور کاشت کار زراعت اور زرع میں ایک دوسرے کے ساتھ شریک ہوتے ہیں ایک زراعت اور زرع کے لئے زمین پیش کرتا ہے اور دوسرا اپنی محنت ومشقّت، لہٰذا اس معاملے کو مزارعت سے تعبیر کرنا، اس کی لغوی حقیقت کی صحیح وسچی تعبیر ہے اور لغوی اور اصطلاحی معنوں کے مابین کامل مناسبت ہے۔

مزارعت کے مترادف الفاظ

لفظ مزارعت کے مترادف اور ہم معنی چند اور الفاظ بھی ہیں جن کا متفرق احادیث نبویہ میں ذکر ہے۔ جیسے مخابرۃ، الخبر، محاقلۃ، مواکرۃ، القراح اور کراء الارض ببعض مایخرج، لیکن مخابرۃ ان میں سے زیادہ معروف اور کثیر الاستعمال ہے بلکہ اہل حجاز خصوصاً اہل مدینہ لفظ مزارعت کی بجائے لفظ مخابرت بولتے اور استعمال کرتے تھے، بہت سے علماء کرام نے لکھا ہے کہ مخابرۃ لغت اہل مدینہ اور مزارعت لغت عراق ہے یعنی عراق میں مخابرۃ کی جگہ مزارعۃ کا لفظ عام طور پر بولا جاتا اور رواج تھا۔

مخابرہ

مخابرہ کی لغوی تشریح یہ ہے کہ یہ بھی باب مفاعلۃ کا مصدر ہے اور اس کا اصل مادہ یا خُبْرَۃٌ بمعنی حصہ یا خِبارٌ بمعنی نرم زمین، یا خَبِیرَۃٌ بمعنی سبز کھیتی اور گھاس، یا خَبْرٌ ہے بمعنی کاشت کے لئے زمین کو جوتنا اور ہل چلانا، غور سے دیکھا جائے تو یہ سب معنے اس معاملہ میں اشتراک ومشارکت کے ساتھ پائے جاتے ہیں جو مالک زمین اور کاشت کار

کے مابین پیداوار زمین کے حصّوں پر طے پاتا ہے لہٰذا اسے مخابرۃ سے تعبیر کرنا بالکل صحیح ہے، بعض علماءِ لغت سے یہ بھی منقول ہے کہ مخابرۃ کی اصل معاملۂ خیبر ہے جو فتح خیبر کے بعد مسلمانوں نے وہاں کے کھیتوں اور باغوں کے متعلق یہودِ خیبر سے کیا تھا، لیکن یہ قول کمزور اور ناقابل اعتبار ہے۔ کیونکہ معاملۂ خیبر سے پہلے بھی یہ معاملہ مخابرہ کے نام سے مشہور و معروف تھا۔ بعض احادیث میں اس کی صراحت ہے، مخابرہ عین مزارعت ہے۔ اس کا اظہار ابن الاثیر الجزری کی النہایۃ، زمخشری کی کتاب الفائق، طاہر پٹنی کی مجمع البحار، زبیدی کی تاج العروس اور ابو منظور افریقی کی لسان العرب وغیرہ مستند کتب لغت سے ہوتا ہے اس طرح بعض احادیث سے بھی واضح طور پر ہوتا ہے۔ مثلاً سنن ابی داؤد کی یہ حدیث دیکھیے:۔

عن زید بن ثابت قال نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن المخابرۃ قلت ما المخابرۃ؟ قال ان تاخذ الارض بنصف او ثلث او ربع ــــ!	"حضرت زید بن ثابت نے روایت کرتے ہوئے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مخابرہ سے منع فرمایا۔ میں نے پوچھا مخابرہ کیا ہے تو جواب دیا کہ تیرا زمین کو کاشت کے لئے نصف، تہائی اور چوتھائی پیداوار پر لینا۔"

اس حدیث میں حضرت زیدؓ بن ثابت نے مخابرہ کا جو مطلب بیان فرمایا ہے بعینہٖ یہی مطلب مزارعت کا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جمہور علماء ان دونوں معاملوں کو ایک مانتے ہیں اور ان کے درمیان کچھ فرق نہیں کرتے۔ گو بعض علماء کے نزدیک دونوں کے درمیان ایک فرق ہے اور وہ یہ کہ ایک میں بیج مالک زمین کی طرف سے اور دوسرے میں کاشت کار کی طرف سے ہوتا ہے۔

محاقلہ محاقلہ کی لغوی تشریح یہ ہے کہ یہ بھی مزارعۃ کی طرح باب المفاعلۃ کا مصدر ہے اور اس کا مادہ مجرّد حَقْلٌ ہے جس کے معنے ہیں کھیت اور سرسبز کھیتی اور باب مفاعلہ کی خاصیت مشارکت کے پیش نظر محاقلہ کے معنی

ہوئے دو فریقوں کے درمیان کھیت کھیتی کا معاملہ اور چونکہ معاملۂ مزارعت بھی مالک زمین اور کاشت کار کے مابین زمین اور پیداوار زمین پر طے پاتا ہے لہٰذا محاقلہ سے اس کی تعبیر ایک صحیح تعبیر ہے۔ واضح رہے کہ بعض علماء نے اپنی کتابوں میں محاقلہ کے تین معنے لکھے ہیں۔ ایک یہی مزارعت یعنی زمین کو پیداوار کے ایک حصہ پر کاشت کے لئے لینا دینا، دوسرا معنی یہ کہ پکنے اور تیار ہونے سے پہلے کھڑی کھیتی کو فروخت کر دینا، اور تیسرا معنی یہ کہ وہ گیہوں جو بالیوں اور خوشوں میں ہوں ان کو صاف گیہوں کے عوض محض اندازے سے بیچنا و خریدنا۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعی کے نزدیک محاقلہ بمعنی مزارعت ہے اس کا بیان، المبسوط للسرخسی (ص ۱۵ - ج ۲۳) اور کتاب الام (ص ۱۰۱ - ج ۷) میں واضح طور پر موجود ہے۔ عبارت آگے کسی جگہ نقل کی جائے گی۔

کراء الارض بعض احادیث نبویہ میں مزارعت کے لئے کراء الارض کے الفاظ بھی استعمال ہوئے ہیں۔ اس لئے کہ مالک زمین کاشتکار سے پیداوار کا جو حصہ لیتا ہے وہ اس مال کی طرح ہے جو مالک مکان، مکان میں رہائش کے عوض دوسرے سے لیتا ہے یعنی اس فائدے کے بدلے جو وہ رہائش کی صورت میں مکان سے اٹھاتا ہے۔ گویا مالک زمین کاشت کار سے جو لیتا ہے وہ اس فائدے کا عوض ہوتا ہے جو کاشت کار اس کی زمین سے اٹھاتا ہے۔ لیکن کراء الارض کی دو صورتیں ہیں: ایک زمین کو اس کی پیداوار کے ایک حصہ کے عوض کرائے پر دینا اور دوسری زمین کو نقد یعنی سونے چاندی اور درہم و دینار سکہ رائج الوقت کے عوض کرایے پر دینا، پہلی صورت کا نام مزارعت و مخابرت ہے اور کراء الارض کی دوسری صورت کا نام اجارہ ہے اور یہ دونوں اپنے فقہی احکام کے لحاظ سے الگ معاملے ہیں۔

کتب لغت میں مزارعت کی جو تعریف لکھی گئی ہے وہ وہی ہے جو عرب معاشرے میں معروف و متعارف تھی یعنی عرف عام میں مزارعت و مخابرت کا جو مفہوم و مطلب سمجھا جاتا تھا ارباب لغت نے وہی اپنی کتابوں میں لکھا ہے اور پھر شریعت اسلام نے بھی مزارعت و مخابرت کے اسی معنی و مطلب

کے متعلق اپنے احکام دیئے ہیں۔ یعنی احادیث نبویّہ میں یہ لفظ اسی معنی و مفہوم میں استعمال ہوا ہے جو عرفِ عام میں متعارف تھا۔ مطلب یہ کہ یہ ایسے الفاظ میں سے نہیں جن کا لغوی و عرفی معنے کے بالمقابل ایک شرعی معنی ہے جیسے صلوٰۃ اور زکوٰۃ وغیرہ جن کا اپنا ایک شرعی معنی و مطلب ہے اور شریعت کے احکام اسی خاص شرعی معنی و مطلب سے تعلق رکھتے ہیں، فقہاء کرام کے کتب فقہ میں مزارعت کی جو تعریف لکھی ہے وہ اصولی طور پر ٹھیک وہی ہے جو ...۔ لغت نے کتب لغت میں لکھی ہے۔ ذیل میں چند فقہی تعریفیں ملاحظہ فرمائیے:

مزارعت کی فقہی تعریف فقہ حنفی کی کتابوں جیسے ہدایہ، بدائع الصنائع اور الاختیار وغیرہ میں مزارعت کی تعریف اس طرح ہے:

المزارعۃ: " ھی عقد علی الزرع ببعض الخارج " مزارعت کاشت کاری کا معاہدہ ہے پیداوار زمین کے ایک حصّہ کے بدلے

فقہ حنبلی کی کتابوں جیسے المغنی لابن قدامۃ وغیرہ میں مزارعت کی تعریف ان الفاظ سے ہے:

المزارعۃ دفع الارض الی من یزرعھا و عمل علیھا والزرع بینھما۔	"مزارعت کا مطلب ہے زمین کاشت کار کو دینا کہ وہ اسے کاشت کرے اور جملہ کام انجام دے اور پیداوار زمین ان دونوں کے درمیان تقسیم ہو گی۔"

فقہ شافعی کی بنیادی کتاب یعنی کتاب الام میں امام شافعی کی نسبت سے مزارعت، مخابرت اور محاقلت کی تعریف اس طرح سے مذکور ہے:

قال الشافعی اذا دفع الرجل الی الرجل ارضا بیضاء علی ان یزرعھا المدفوعۃ الیہ فما اخرج اللہ منھا من شیئ فلہ منہ جزء	"حضرت امام شافعی نے فرمایا: جب ایک شخص دوسرے کو خالی زمین دے اس شرط پر کہ وہ اسے کاشت کرے پس زمین سے اللہ جو پیدا فرمائے گا اس میں سے ایک

من الاجزاء فهذه المحاقلة والمخابرة والمزارعة۔ (ص ۱۰۱ ج ۵)

حصہ اس کے لئے ہوگا۔ یعنی مالک زمین کے لئے یا کاشت کار کے لئے ہوگا، پس یہی محاقلہ، مخابرہ اور مزارعہ ہے۔"

فقہ مالکی کی کتابوں میں عام طور پر مزارعت کا باب ہی نہیں ہوتا۔ لہٰذا باقاعدہ تعریف بھی ان کے ہاں نہیں ملتی۔ کیونکہ وہ سرے سے اس کے قائل ہی نہیں۔

مزارعت کی مختلف شکلیں

مزارعت کی شرعی حیثیت پر بحث کرنے سے پہلے یہ عرض کر دینا بھی ضروری ہے کہ جب اسلام کا ظہور ہوا تو نہ صرف یہ کہ سرزمین عرب میں بلکہ تمام دنیا میں مزارعت کا رواج تھا اور عملی طور پر اس کی مختلف شکلیں رائج تھیں۔ جن میں ایک مشترک چیز یہ تھی کہ مالک زمین اپنی زمین کے استعمال کے عوض کاشت کار سے کچھ نہ کچھ ضرور وصول کرتا تھا۔ اور یہ مختلف شکلیں مالک، کاشتکار اور زمین کے مختلف حالات سے تعلق رکھتی تھیں، مثلاً ایک شکل یہ کہ مالک اور مزارع ہر ایک کے لئے پیداوار کا نصفا نصف طے پاتا ہے دوسری یہ کہ ایک کے لئے دو تہائی اور دوسرے کے لئے ایک تہائی، تیسری شکل یہ کہ ایک کے لئے چوتھائی اور دوسرے کے لئے تین چوتھائی حصہ ہوتا تھا۔ چوتھی شکل یہ کہ مالک کے لئے زمین کے ایک ٹکڑے کی پیداوار اور مزارع کے لئے دوسرے ٹکڑے کی پیداوار طے پاتی تھی، پانچویں شکل یہ کہ مالک کے لئے پیداوار کے نسبتی حصہ کی بجائے غلے کی متعین مقدار مقرر ہوتی تھی چھٹی شکل یہ کہ مالک زمین کے لئے بجائے غلہ کے نقد یعنی دراہم و دنانیر کی مخصوص تعداد ہوتی تھی اسی طرح کسی شکل میں زمین کے ساتھ بیج بھی مالک کی طرف سے ہوتا تھا، کہیں بیل ہل وغیرہ بھی مالک کی طرف سے ہوتے تھے اور کہیں سوائے زمین کے باقی سب چیزیں کاشت کار کے ذمہ ہوتی تھیں۔ لہٰذا اس وجہ سے بھی دونوں کے حصوں میں کمی بیشی واقع ہوتی تھی، روایات سے پتہ

چلتا ہے کہ خود مدینہ منوّرہ میں اس معاملے کی متعدد شکلیں رائج تھیں بعض کے اندر پیداوار کا نصف حصّہ مالک زمین کے لئے اور نصف مزارع کے لئے مقرر ہوتا تھا، بعض شکلوں میں پیداوار کی تقسیم مالک اور مزارع کے درمیان ۱/۳ اور ۲/۳ اور بعض میں ۱/۴ اور ۳/۴ کے حساب سے طے پاتی تھی بعض شکلوں میں مالک اپنے لئے زمین کے ایک خاص حصّہ کی پیداوار مثلاً کنوئیں کے اردگرد یا نالیوں کے کنارے کی پیداوار مخصوص کر لیتا اور باقی حصّہ کی پیداوار مزارع کے لئے چھوڑتا تھا، بعض شکلیں ایسی بھی تھیں جن میں زمین کے مالک کے لئے پیداوار کے ایک نسبتی حصّہ کے ساتھ گنڈیاں وغیرہ بھی ہوتی تھیں، کہیں ایسا بھی تھا کہ مالک کے لئے پیداوار کے نسبتی حصّہ کی بجائے متعیّن مقدار میں غلّہ ہوتا تھا۔ بہرحال اس معاملہ میں ان تمام شکلوں میں ایک بات جو قدر مشترک کے طور پر موجود تھی وہ یہ کہ مالکِ زمین اپنی زمین کے استعمال کے عوض کسی نہ کسی شکل میں مزارع و کاشت کار سے مادّی معاوضہ ضرور وصول کرتا تھا۔

معاملہ مزارعت کی اصل حقیقت و ماہیّت اور اس کی عملی شکلوں کی تعیین و تفصیل کے بعد اب میں اس کی شرعی حیثیت پر بحث کرنا چاہتا ہوں اور بحث کی ترتیب کچھ اس طرح رہے گی:

مزارعت اور قرآن مجید
مزارعت اور احادیثِ مرفوعہ
مزارعت اور آثار صحابہؓ
مزارعت اور اقوالِ تابعین
مزارعت اور ائمّہ مجتہدین
مزارعت اور قیاسی و عقلی دلائل

مزارعت اور قرآن مجید

چونکہ اسلامی شریعت و قوانین کا اصل الاصول اور حقیقی ماخذ و سرچشمہ قرآن مجید ہے لہٰذا سب سے پہلے یہ دیکھنا چاہئے کہ قرآن مجید میں اس معاملہ کے متعلق کیا ہدایت و راہنمائی ہے۔ وہ اسے جائز قرار دیتا ہے یا ناجائز ٹھہراتا ہے، اس کا جواب دینے سے پہلے مناسب و مفید ہوگا کہ اصولی بات عرض کر دی جائے اور وہ یہ کہ ہم جب یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ قرآن مجید ہدایت کے لحاظ سے ایک جامع اور کامل کتاب ہے اور اس میں حیاتِ انسانی کے ہر مسئلہ سے متعلق ہدایت و راہنمائی موجود ہے تو ظاہر ہے کہ اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ حیات انسانی کے تمام جزوی مسائل کے متعلق اس کے اندر تفصیلی احکام پائے جاتے ہیں کیونکہ یہ بدیہی طور پر غلط اور خلاف واقعہ ہے۔ اس وجہ سے کہ قرآن مجید میں ایسے جزوی مسائل بہت تھوڑے سے ہیں جن کے متعلق صراحت کے ساتھ تفصیلی احکام مذکور ہیں اور چونکہ زندگی کے جزوی مسائل بے شمار اور لاتعداد ہیں۔ لہٰذا ناممکن ہے کہ کوئی ایک کتاب ان لاتعداد مسائل اور ان کے متعلق جزوی و تفصیلی احکام پر محیط و حاوی ہو خواہ وہ سینکڑوں جلدوں پر ہی مشتمل کیوں نہ ہو، بلکہ ہمارے اس دعوے کا صحیح مطلب یہ ہوتا اور یہ ہی ہو سکتا بھی ہے کہ قرآن مجید اصول و مبادی اور بنیادی افکار و تصورات کے لحاظ سے جامع و کامل کتاب ہدایت ہے۔ یعنی اس کے اندر وہ اصول کلیہ اور مبادی عامہ بتمام و کمال موجود ہیں جو حیاتِ انسانی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھتے اور ہر شعبہ کے جزوی مسائل کے لئے راہنمائی و روشنی دیتے ہیں اور ان کی راہنمائی و روشنی میں ہر مسئلے کا قرآنی حل سمجھا اور دریافت کیا جا سکتا ہے۔ قرآن حکیم میں بعض جزوی مسائل سے متعلق جو تفصیلی احکام ہیں غور سے دیکھا جائے تو وہ بھی

قرآن کے اساسی اصول و تصورات پر مبنی ہیں اسی طرح صحیح احادیث میں جزوی مسائل کے متعلق جو تفصیلات ہیں وہ بھی دراصل قرآن حکیم کے بنیادی اصول و ضوابط اور اساسی افکار و تصورات کی علمی و عملی تشریح و توضیح ہیں اور ان کا قرآن مجید سے گہرا اور مضبوط تعلق ہے۔

لیکن یہاں یہ بات واضح کر دینا نہایت ضروری ہے کہ قرآن مجید میں زندگی کے ہر شعبے اور ہر پہلو سے متعلق جو اصول کلیہ اور مبادی عامہ ہیں وہ اس اسلوب بیان سے نہیں جس اسلوب بیان سے وہ وضعی علوم سے متعلق انسانی تصنیفات میں ہوتے ہیں۔ اس سے مراد یہ کہ ان میں اصول کلیہ اور مبادی عامہ کا الگ، مستقل اور مجرد ذکر ہوتا اور ان کی وضاحت کے لئے جزوی مثالوں کا الگ ذکر ہوتا ہے جیسے کہ تم عمرانیات، معاشیات، سیاسیات، ریاضیات، طبیعات، فقہ و قانون، اصول الفقہ، منطق اور صرف و نحو وغیرہ علوم کی کتابوں میں دیکھتے ہیں۔ جبکہ قرآن مجید میں وہ اصول و مبادی الگ اور ان کی توضیحی مثالیں الگ مذکور نہیں بلکہ وہ بعض معروف اور جانے پہچانے جزئیوں کے ضمن میں مذکور ہیں اور ان کو صرف وہی لوگ جان اور سمجھ سکتے ہیں جو غور و فکر اور استنباط و استخراج کی ممتاز صلاحیت اور استدلال کے مختلف طریقوں سے واقفیت رکھتے ہیں۔

دراصل اس بارے میں قرآن کریم کا اسلوب و طریقہ یہ ہے کہ وہ جب ایک نوع کے کثیر التعداد مسائل کے متعلق اپنا کوئی کلی حکم دینا چاہتا ہے کہ وہ جائز ہیں یا ناجائز تو وہ ان مسائل میں سے ایک ایسے مسئلہ کے متعلق حکم دیتا ہے جو عام طور پر معروف اور جانا پہچانا ہوتا ہے، اس میں گویا وہ یہ فرماتا ہے اور ہدایت دیتا ہے کہ میرے نزدیک جو حکم اس خاص مسئلے کا ہے جس کی حقیقت و ماہیت کو تم جانتے پہچانتے ہو۔ یہی حکم ہر اس مسئلے کا ہے جو اپنی ماہیت و حقیقت، اپنی روح و اسپرٹ اور اپنے اثرات و نتائج کے لحاظ سے اس خاص مسئلہ سے ملتا جلتا اور مماثلت و مشابہت رکھتا ہے۔ اس طرح ایک جزئیے کے ضمن میں کلیہ مذکور ہوتا ہے، استدلال کے اس طریقہ

کا نام منطق میں تمثیل اور اصول الفقہ میں قیاس ہے۔

غور سے دیکھا جائے تو استدلال کا یہ طریقہ کئی وجوہ سے بہتر اور احسن طریقہ ہے اس وجہ سے بھی کہ یہ آسان و سہل ہے۔ کیونکہ ایک معلوم جزئیے کے ذریعے دوسرے نامعلوم جزئیے کا علم حاصل کرنا آسان ہوتا ہے بہ نسبت اس علم کے جو ایک کلیے کے ذریعے نامعلوم جزئیے کا حاصل کیا جاتا ہے، یعنی ایک جزئیے سے دوسرے جزئیے کو سمجھنا آسان ہوتا ہے بمقابلہ ایک کلیئے سے جزئیے کو سمجھنے کے، یہ اس لئے کہ جزئیہ خارج میں اور محسوس ہوتا ہے جبکہ کلیہ ذہن میں اور غیر محسوس ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ محسوس سے محسوس پر استدلال آسان ہوتا ہے بہ نسبت غیر محسوس یعنی معقول سے محسوس پر استدلال سے اور اس وجہ سے بھی یہ طریقہ استدلال بہتر و احسن ہے کہ اس میں غلطی کا امکان کم ہوتا ہے یعنی کلیے کو جزئیے پر منطبق کرنے میں غلطی کا احتمال و امکان زیادہ ہوتا ہے بہ نسبت جزئیے کو جزئیے پر منطبق کرنے میں غلطی کے احتمال سے، کیونکہ کلیے کو جزئیے پر منطبق کرنے میں عقل کا زیادہ دخل ہوتا ہے جبکہ جزئیے کو جزئیے پر منطبق کرنے میں حواس ظاہری کا دخل ہوتا ہے۔ بالفاظ دیگر پہلا طریقہ موضوعی نوعیت کا اور دوسرا طریقہ معروضی نوعیت کا ہے یا یوں کہئے کہ پہلا استخراجی اور دوسرا استقرائی ہے، علاوہ ازیں قرآن کا تعلیم کردہ طریق استدلال فطری ہے۔ اس کا ثبوت یہ کہ سن شعور سے پہلے ایک بچہ بھی اسی طریق استدلال سے کام لیتا ہے اور فطرتاً اس سے مانوس ہوتا ہے۔ وہ ہر اس دوسری چیز کو پسند کرتا ہے جو اس کی پہلی پسندیدہ چیز کے مماثل ہوتی اور ہر اس چیز سے گریز کرتا ہے جو اس کی پہلی گریز شدہ چیز سے مماثلت رکھتی ہے۔

غرضیکہ اصول کلیہ اور مبادی عامہ کے بیان میں قرآن مجید کا جو اسلوب ہے وہ نسبتاً آسان، غلطی سے محفوظ، حسی اور فطری اسلوب ہے لہذا ایک بہتر اور احسن اسلوب ہے۔

معاشی معاملات کے جواز و عدم جواز سے متعلق قرآن حکیم کا جو اصل کلی اور مبدأ عام ہے وہ بھی اسی اسلوب سے بیان کیا گیا ہے یعنی دو جزئی

معاملات سے متعلق دو مختلف حکموں میں بیان کیا گیا ہے۔ سورۂ بقرہ میں فرمان الٰہی ہے:

وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا۔ "اور اللہ نے معاملہ بیع کو حلال اور معاملہ ربٰو کو حرام ٹھہرایا۔"

قرآن حکیم کی اس آیت میں بظاہر دو جزوی اور مخصوص معاشی معاملات کے متعلق دو مختلف حکم ہیں۔ معاملہ بیع کے متعلق یہ حکم کہ وہ حلال و جائز ہے اور معاملۂ ربٰو کے متعلق یہ کہ وہ حرام و ناجائز ہے۔ لیکن یہ دو حکم ان دو معاملوں کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ ان کی طرح کے دیگر تمام معاملات کے لئے عام ہیں، گویا اس آئت میں یہ فرمایا گیا ہے کہ ہر وہ معاشی معاملہ جو اپنی ماہیت و حقیقت، بناوٹ و ساخت، روح و اسپرٹ اور اپنے اثرات و نتائج کے لحاظ سے معاملہ بیع کے مشابہ و مماثل ہو وہ حلال و جائز اور ہر وہ معاملہ جو اپنی حقیقت و ماہیت، اپنی روح و غائت اور اپنے اثرات و نتائج کے لحاظ سے معاملہ ربٰو سے مماثلت و مشابہت رکھتا اور ملتا جلتا ہو وہ حرام و ناجائز ہے۔ اس طرح اس آیت میں گویا دو قاعدے کلّیے بیان کئے گئے ہیں جن کی روشنی میں کثیر التحداد معاشی معاملات کے بارے میں قرآنی حکم معلوم کیا جاسکتا ہے یعنی یہ کہ کونسے معاملات قرآن حکیم کی رو سے حلال و جائز اور کونسے معاملات حرام و ناجائز اور کونسے مشتبہ و مکروہ ہیں۔ پہلی قسم کے معاملات میں وہ سب معاملات آتے ہیں جو معاملۂ بیع سے کامل مشابہت رکھتے ہیں۔ دوسری قسم کے معاملات میں وہ تمام معاملات داخل ہیں جو معاملۂ ربٰو سے کامل مماثلت رکھتے ہیں اور تیسری قسم کے معاملات میں وہ جملہ معاملات آتے ہیں جو ایک پہلو سے معاملۂ بیع سے مشابہ اور دوسرے پہلو سے معاملۂ ربٰو سے مشابہ ہوتے ہیں۔

معاملۂ بیع کی حقیقت و ماہیت جو عام طور پر جانی پہچانی ہے یہ کہ اسمیں تاجر اپنے سرمائے کے ساتھ خرید و فروخت کا کام کرتا ہے اور نفع کماتا ہے۔ لہٰذا اس معاملے میں تاجر کو اپنے اصل سرمائے پر بطور نفع جو زائد مال ملتا

ہے اس کے عوض اس کی طرف سے دماغی وجسمانی محنت ومشقت موجود ہوتی ہے۔ اس کی دماغی محنت وہ ہوتی ہے جو وہ سامان تجارت خریدنے اور بیچنے سے پہلے سوچتا اور غور وفکر کرتا ہے کہ کیا چیز کہاں سے اور کب خریدے اور پھر کہاں اور کب فروخت کرے، اور اس کی جسمانی محنت و مشقت وہ دوڑ دھوپ اور تگ و دو ہوتی ہے جو وہ ادھر ادھر جانے آنے، سامان خریدنے اور ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے اور اس کی حفاظت و دیکھ بھال کے سلسلہ میں کرتا ہے، بنا بریں ہر وہ معاشی معاملہ معاملہ بیع کے مشابہ و مماثل قرار پائے گا جس میں حاصل ہونے والے زائد مال اور منافع کے بالمقابل آدمی کی دماغی جسمانی محنت و مشقت موجود ہوتی ہے۔

اور معاملہ ربٰو کی حقیقت و ماہیت جسے سب کاروباری لوگ جانتے پہچانتے ہیں اس کے سوا کچھ نہیں کہ اس میں ایک فریق اپنا مال دوسرے کو استعمال کے لئے بطور قرض دیتا ہے اور شرط لگاتا ہے کہ مقررہ میعاد کے بعد اسے اس کا اصل مال مع اضافے کے واپس کرنا پڑے گا۔ لہٰذا اس میں مُقرض یعنی قرض دینے والے کے لئے اس کا اصل مال بھی بغیر کسی نقصان کے پوری طرح محفوظ رہتا ہے کیونکہ مقررہ وقت پر اس کے ادا کرنے کی قانونی ضمانت موجود ہوتی ہے۔ اور وہ اپنے اصل مال پر جو زائد لیتا ہے اس کے بدلے اس کی طرف سے مقروض کے لئے کوئی ایسی شے موجود نہیں ہوتی جو اس زائد مال کا عوض بن سکتی ہو، نہ کوئی مادی شے موجود ہوتی ہے جو اس زائد مال سے مماثلت رکھتی ہو اور نہ کوئی پیداوار محنت موجود ہوتی ہے جس کی اجرت اس زائد مال کے برابر ہو۔ لہٰذا ہر وہ معاشی معاملہ، معاملہ ربٰو کے مماثل و مشابہ ٹھہرتا ہے جس میں ایک فریق کا مال دوسرے کے استعمال میں اس قانونی تحفظ کے ساتھ ہوتا ہو۔ کہ وہ مال جب واپس ہوگا تو بغیر کسی کمی و نقصان کے پورے کا پورا واپس ہوگا اور اس کے ساتھ وہ بغیر کسی پیداوار محنت کے دوسرے سے کچھ زائد مال اس وجہ سے لیتا ہے کہ دوسرے نے اس کا مال استعمال کیا ہے۔

رہا یہ سوال کہ قرآن مجید نے معاملہ بیع کو کیوں حلال اور معاملہ ربٰو کو کیوں حرام ٹھہرایا اور اس کا فلسفہ کیا ہے ؟ تو مختصر طور پر اس کا جواب یہ ہے کہ معاملہ بیع کو اس لئے حلال و جائز ٹھہرایا ہے کہ یہ عدل کے مطابق ہے کیونکہ اس میں فریقین آپس میں جو دیتے لیتے ہیں ایک دوسرے کا حق سمجھ کر دیتے لیتے ہیں اور اس میں ان کی حقیقی رضامندی موجود ہوتی ہے جو معاملے کی صحت کے لئے شرط کی حیثیت رکھتی ہے، کچھ واضح الفاظ میں مطلب یہ کہ معاملہ بیع میں تاجر اپنے اصل سرمایے پر خریدار سے جو زائد مال لیتا ہے یعنی مثلاً سو روپے میں خریدی ہوئی چیز ایک سو دس میں بیچ کر جو دس روپے زائد لیتا ہے اس زائد کے عوض چونکہ اس کی طرف سے محنت موجود ہوتی ہے۔ جو سب کے نزدیک پیدائش دولت کا متفقہ اور مسلّمہ عامل ہے لہٰذا وہ اس زائد مال کا حقدار ٹھہرتا ہے اور خریدار اسے حقدار سمجھ کر وہ زائد مال اس کو برضا و خوشی دیتا ہے گویا اس محنت کی اجرت کے طور پر اسے دیتا ہے جو اس نے خرید و فروخت کے سلسلہ میں کی ہوتی ہے۔ بہرحال اس معاملے میں اصل ماہیت میں کسی فریق کی حق تلفی داخل نہیں۔ لہٰذا یہ ظلم کی تعریف میں نہیں آتا بلکہ عدل و قسط کی تعریف میں آتا ہے جس کا قیام و تحفظ اسلام کا بڑا مقصد اور نصب العین ہے۔

اور معاملہ ربٰو کے حرام ہونے کا فلسفہ یہ ہے کہ اس کی ماہیت اور فطرت میں ظلم و حق تلفی ایک لازمی جزء کی حیثیت سے شامل ہے، اس میں مقرض اپنے مقروض سے قرض کے اصل مال کے ساتھ جو کچھ بھی زائد لیتا ہے وہ اس کا حق نہیں بلکہ مقروض کا حق ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کی طرف سے اس زائد مال کے بالمقابل کوئی ایسی حقیقی شے موجود نہیں ہوتی جس کی بنا پر وہ اس کا حقدار ٹھہرتا ہو نہ کوئی پیداوار محنت و مشقت موجود ہوتی ہے جو حق کی بنیاد ہے اور نہ کوئی نقصان وغیرہ کی شکل میں مادی شے موجود ہوتی ہے جو اس زائد مال کا عوض بن سکتی ہو، پھر چونکہ قرض پر دی ہوئی چیز مقرض کی ملکیت سے نکل کر مقروض کی ملکیت میں چلی جاتی ہے اور اس کی حیثیت بالکل وہی ہو جاتی ہے جو اس کی کسی دوسری مملوکہ چیز کی ہوتی ہے وہ اس

کے ساتھ محنت و مشقت کر کے جو کچھ کماتا ہے وہ سب اسی طرح اس کا حق ہوتا ہے جس طرح اپنے کسی دوسرے مال کے ساتھ محنت کر کے کمایا ہوا مال، اسی طرح مقرض، بطور قرض دیئے ہوئے مال کے استعمال پر کوئی کرایہ وغیرہ بھی نہیں لے سکتا۔ کیونکہ کرائے کے لئے ضروری ہے کہ کرائے پر دی ہوئی چیز اس کی ملکیت میں ہو جس نے کرایے پر دی ہے کیونکہ قرض پر دیا ہوا مال اب اس کی ملکیت نہیں بلکہ مقروض کی ملکیت ہو جاتا ہے، نیز کرائے کے جواز کے لئے ضروری ہے کہ کرائے پر دی جانے والی چیز ایسی ہو جس کے استعمال ہونے سے قیمت و مالیت گھٹتی ہو اور مدت کرایہ ختم ہونے پر مالک کی طرف بعینہ نہیں بلکہ نقصان کے ساتھ لوٹتی ہو۔ حالانکہ قرض کا مال جب قرضخواہ کی طرف لوٹتا ہے تو بغیر کسی نقصان کے پورے کا پورا لوٹتا ہے، بہرحال معاملۂ ربوٰ میں سود خور اپنے اصل مال سے جو زائد لیتا ہے وہ کسی طرح اس کا حق نہیں ہوتا بلکہ اس مقروض کا حق ہوتا ہے جس سے وہ لیتا ہے۔ لہٰذا ظلم و حق تلفی اس معاملے کی ماہیت کا جزو لاینفک ہے اور ظلم و حق تلفی حرام ہے لہٰذا یہ معاملہ بھی حرام ہے۔ علاوہ ازیں اس معاملے میں ایک فریق حقیقی رضا و خوشی کے ساتھ شریک نہیں ہوتا بلکہ اس مجبوری کے تحت شریک ہوتا ہے کہ اس کے پاس حسب ضرورت اپنا مال نہیں ہوتا کیونکہ جس کے پاس حسب ضرورت اپنا مال ہو وہ کبھی سود پر دوسرے سے قرض نہیں لیتا اور اس معاملہ میں شریک نہیں ہوتا اور چونکہ دوسرے کا مال بغیر اس کی حقیقی رضامندی کے لینا حرام ہے لہٰذا معاملہ ربوٰ حرام ہے۔ کیونکہ اس میں ایک فریق دوسرے کی حقیقی رضامندی کے بغیر اس کا مال لیتا ہے۔ قرآن مجید کے الفاظ میں اس کا نام اکل بالباطل ہے جس کی سخت ممانعت ہے۔

اب میں اصل مسئلے مزارعت اور قرآن مجید کی طرف آتا ہوں۔ قرآن مجید میں نہ صراحت کے ساتھ معاملۂ مزارعت کا ذکر ہے نہ خصوصیت کے ساتھ اس کا کہ وہ حلال و جائز ہے یا حرام و ناجائز، البتہ قرآن مجید کے

مذکورہ بالا اصل کلی کی روشنی میں اس کے متعلق قرآنی حکم ضرور معلوم کیا جاسکتا ہے۔ اگر یہ معاملہ بیع کے مشابہ ہے تو از روئے قرآن حلال و جائز اور معاملہ ربٰو کے مماثل ہے تو حرام و باطل ہے۔

لیکن جب ہم بغور دیکھتے اور اس کا گہرائی کے ساتھ تجزیہ کرتے اور تحقیقی جائزہ لیتے ہیں تو یہ معاملہ، معاملۂ بیع نہیں بلکہ معاملۂ ربٰو سے مماثل و مشابہ نظر آتا ہے، وہ یوں کہ جس طرح معاملۂ ربٰو میں سود خور کے لئے اس کی اصل رقم اس کے حق میں محفوظ رہتی اور معاملہ ختم ہونے پر اس کو بے کم و کاست پوری ملتی ہے، اسی طرح معاملۂ زراعت میں مالک کے لئے زمین محفوظ رہتی اور معاملہ ختم ہونے پر پوری کی پوری اسے واپس ملتی ہے۔ کاشت کے بعد اس کی قیمت و مالیت میں کوئی خاص کمی واقع نہیں ہوتی یعنی ایسا نہیں ہوتا کہ ایک زمین کی قیمت کاشت سے پہلے مثلاً ایک ہزار روپے فی ایکڑ تھی تو کاشت ہو جانے کے بعد اس کی قیمت نو سو روپے فی ایکڑ رہ جاتی ہو بلکہ اس کے برعکس بعض دفعہ یہ ضرور ہوتا ہے کہ ایک بنجر زمین کو کاشت کار خوب محنت سے بناتا اور کھاد پانی وغیرہ صحیح طور پر دیتا ہے تو کاشت سے اس کی قدر و قیمت کچھ بڑھ جاتی ہے، بہر حال زمین ان چیزوں میں سے نہیں جو استعمال ہونے سے گھستی اور پرانی ہوتی ہیں۔ لہٰذا لازماً انکی قیمت گھٹتی اور کم ہوتی چلی جاتی ہے۔ نیز جسطرح معاملۂ ربٰو میں زائد مال کے عوض سود خوار کی طرف سے کوئی پیداوار محنت وغیرہ موجود نہیں ہوتی جو اسے زائد مال کا حقدار ٹھہراتی ہو۔ اسی طرح معاملہ مزارعت میں مالک کاشت کار سے پیداوار کا جو حصہ یا نقد وغیرہ لیتا ہے اس کے عوض اور بالمقابل مالک کی طرف سے نہ کوئی پیداوار محنت ہوتی ہے اور نہ کوئی اور ایسی شے جو اسے اس پیداوار وغیرہ کا حقدار بناتی ہو۔ لہٰذا جسطرح معاملہ ربٰو میں سود خوار دوسرے کا مال ناحق طور پر لیتا ہے اسی طرح معاملۂ مزارعت میں مالکِ زمین، کاشت کار کا مال ناحق طور پر لیتا ہے اور پھر جس طرح معاملہ ربٰو میں ایک فریق رضا و خوشی کے ساتھ نہیں بلکہ اس مجبوری کے تحت شریک ہوتا ہے کہ اس کے پاس حسبِ ضرورت

اپنا مال نہیں ہوتا، اسی طرح معاملۂ مزارعت میں بھی ایک فریق یعنی مزارع حقیقی رضا و خوشی کے ساتھ نہیں بلکہ اس مجبوری کے تحت شریک ہوتا ہے کہ اس کے پاس حسبِ ضرورت اپنی زمین نہیں ہوتی۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ جسکے پاس حسبِ ضرورت اپنی زمین ہو وہ کبھی مزارعت پر دوسرے کی زمین کاشت نہیں کرتا کیونکہ اپنی زمین کاشت کرنے سے اپنی پوری پیداوار ملتی ہے جبکہ مزارعت پر دوسرے کی زمین کاشت کرنے سے پیداوار کا ایک حصہ ملتا ہے اور ظاہر ہے کہ کوئی بھی خوشی کے ساتھ پورے کی بجائے ادھورے کو اختیار نہیں کرتا۔

بہرحال غور سے اور تجزیہ کر کے دیکھا جائے تو معاملہ مزارعت اپنی حقیقت و ماہیت، اپنے مضمرات و مقتضیات اور اپنے نتائج و اثرات کے لحاظ سے معاملۂ ربٰو کے مشابہ و مماثل نظر آتا ہے لہٰذا قرآن مجید کی رو سے جو حکم ربٰو کا ہے وہی اس معاملہ کا بھی ہے۔

پھر اس بات کا نہایت واضح ثبوت کہ معاملۂ مزارعت، معاملہ ربٰو کی طرح ہے، اس حدیث نبویؐ سے بھی فراہم ہوتا اور وہ اس پر واضح الدلالت ہے جسے امام حاکم نے اپنی حدیث کی کتاب المستدرک میں بیان کیا ہے وہ حدیث اس طرح ہے:

عن ابی الزبیر عن جابرؓ بن عبد اللہ قال لما نزلت: اَلَّذِیْنَ یَأْکُلُوْنَ الرِّبٰو لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا کَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُہُ الشَّیْطَانُ مِنَ الْمَسِّ الآیہ، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: مَنْ لم یذر المخابرۃ فلیوذن بحرب من اللہ ورسولہ،	"ابو الزبیر نے حضرت جابرؓ سے روایت کرتے ہوئے کہا کہ جب تحریم ربٰو سے متعلق قرآن مجید کہ یہ آیات نازل ہوئیں: اَلَّذِیْنَ یَأْکُلُوْنَ الرِّبٰو لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا کَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُہُ الشَّیْطَانُ مِنَ الْمَسِّ...... الخ۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو مخابرت کو نہ چھوڑے اس کے

هذا حديث صحيح على شرط المسلم ص۲۸۶۔ ج ۲	لئے اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف سے اعلان جنگ ہے یا

یہ کہ وہ اللہ اور اس کے رسولؐ سے برسرِ پیکار ہے"

یہاں یہ ذہن نشین رہے کہ اس حدیث میں جس مخابرہ کا ذکر ہے وہ مزارعت ہے کیونکہ جیسا کہ پیچھے گزرا حضرت زیدؓ بن ثابت سے جب یہ پوچھا گیا کہ مخابرہ کیا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا "تیرا زمین کو کاشت کے لئے نصف یا تہائی یا چوتھائی پیداوار پر لینا"

مذکورہ حدیث جسے امام حاکم نے مسلم کی شرط پر صحیح بتلایا ہے اس پر دلالت کرتی ہے کہ مخابرت و مزارعت کا معاملہ ربٰو کے معاملہ کی طرح ہے۔ ایک اس وجہ سے کہ یہ حدیث اس وقت ارشاد فرمائی گئی جب سورۂ بقرہ میں تحریم ربٰو کی آیات نازل ہوئیں اور دوسرے اس وجہ سے کہ اس میں مخابرہ نہ چھوڑنے والوں کے لئے بعینہ دھمکی کے وہی الفاظ ہیں جو قرآن مجید میں ربٰو کو نہ چھوڑنے والوں کے لئے فرمائے گئے ہیں یعنی: فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ:

علاوہ ازیں دو حدیثیں ایسی بھی ملتی ہیں جن میں اس معاملہ کو صریح طور پر ربٰو فرمایا گیا ہے۔ ایک سنن ابی داؤد اور معانی الآثار طحاوی کی یہ حدیث:

عن ابن ابي نعم قال حدثني رافعؓ بن خديج انه زرع ارضا فمر به النبي صلى الله عليه وسلم وهو يسقيها فسأله عن الزرع ولمن الارض، فقال زرعي ببذري وعملي، لي الشطر ولبني فلان الشطر فقال صلى الله عليه وسلم اربيتما فرد الارض	"ابن ابی نعم نے روایت کرتے ہوئے کہا کہ مجھے حضرت رافع بن خدیج نے بتلایا کہ اس نے ایک زمین کاشت کی، وہاں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم گزرے جبکہ وہ اسے پانی دے رہا تھا، آپؐ نے پوچھا کھیتی کس کی ہے اور زمین کس کی ہے، میں نے عرض کیا کھیتی میرے بیج اور عمل سے ہے۔ نصف پیداوار

علیٰ اھلھا وخذ نفقتک	میرے لئے اور نصف بنی فلاں

کے لئے ہوگی اس پر آپؐ نے فرمایا: "تم ربوٰ میں مبتلا ہو، زمین اس کے مالکوں کو دے دو اور اپنا خرچہ لے لو۔

اور دوسری حدیث یہ ہے جسے طبرانی نے معجم الاوسط میں بیان کیا ہے:

عن المسوّر بن مخرمۃ قال	"حضرت مسور بن مخرمہ سے مروی
مر رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ	ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
وسلّم بارض لعبدالرحمٰن	حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی ایک
بن عوف فیھا زرع فقال یا	زمین کے پاس سے گزرے جس میں
ابا عبدالرحمٰن لا تاکل	کھیتی تھی۔ آپؐ نے فرمایا اے
الربوا ولا تطعمہ ولا تزرع	ابوعبدالرحمٰن نہ ربوٰ کھاؤ اور نہ کھلاؤ
الا فی الارض ترثھا او تورثھا	اور کاشت نہ کرو مگر ایسی زمین میں
او تمنحھا	جس کے تم وارث ہو یا فرمایا وارث
بحوالہ مجمع الزوائد ص۱۲۰۔ ج ۴)	بنا دیئے گئے یا تمہیں مفت دی گئی ہو

پہلی حدیث میں اَرْبَیْتَ یا اَرْبَیْتُمَا کے الفاظ اور دوسری میں لَا تَاْکُلِ الرِّبٰوٰ کے الفاظ سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ مزارعت و مخابرت کا یہ معاملہ، ربوٰ کی طرح کا معاملہ ہے اور جس طرح ربوٰ حرام و ناجائز ہے اس طرح یہ معاملہ بھی حرام و ناجائز ہے یہی وجہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رافع بن خدیج کو قبل از وقت اسے فسخ کرنے کا حکم دیا اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو نہی کے ساتھ منع فرمایا۔

مفسّرین حضرات میں سے علّامہ ابن کثیر نے سورہ بقرہ والی تحریم ربوٰ کی آیات کی تفسیر میں مخابرہ سے متعلق حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا حدیث نقل کرنے کے بعد جو لکھا ہے وہ یہ کہ:

انما حرمت المخابرۃ وھی	"سوائے اس کے نہیں کہ حرام ٹھہرائے
المزارعۃ ببعض ما یخرج من	گئے ہیں مخابرہ جو پیداوار زمین
الارض، والمزابنۃ وھی اشتراء	کے ایک حصہ پر مزارعت کا نام ہے
الرطب فی رؤس النخل بالتمر	اور مزابنۃ جو نام ہے درخت پر

على وجه الارض، والمحاقلة وهى اشتراء الحب فى سنبله فى الحقل بالحب على وجه الارض، انما حرمت هذه الاشياء وماشا كلها حسما لمادة الربٰو

ص ۳۲۷، ج ۱،
تفسیر ابن کثیر

لگی تازہ کھجوروں کو زمین پر پڑے خشک چھوہاروں کے عوض خریدنا اور محاقلہ: جو خوشوں میں محفوظ غلّہ کو جو کھڑی کھیتی میں ہو، خشک غلّے کے بدلے خریدنا۔ یہ اور اس قسم کے دوسرے معاشی معاملات صرف اس لئے حرام ٹھہرائے گئے ہیں کہ ربٰو کا کلّی طور پر خاتمہ ہو جائے۔"

اس عبارت میں علامہ ابن کثیر نے مخابرہ، مزابنہ اور محاقلہ اور ان سے ملتے جلتے دیگر معاشی معاملات کے حرام ہونے کی وجہ اور علّت یہ بتلائی ہے کہ یہ سب ربٰو معاملات ہیں اور یہ کہ ان کو حرام قرار دینے کا مقصد، ربٰو کا پوری طرح قلع قمع کرنا اور اس کو جڑ سے اکھاڑنا ہے، اس عبارت میں یہ بھی وضاحت ہے کہ مخابرہ عین مزارعت ہے۔

دوسرے عظیم مفسر علامہ القرطبی، اپنی جلیل القدر تفسیر الجامع لاحکام القرآن میں تحریم ربٰو کی آیات میں سے اس آیت: فَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلُوۡا فَاۡذَنُوۡا بِحَرۡبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

هٰذا الوعيد الذى وعد الله به فى الربٰو من المحاربة قد ورد عن النبى صلى الله عليه وسلم مثله فى المخابرة عن جابر بن عبد الله قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: من لم يذر المخابرة فليؤذن بحرب من الله ورسوله، وهذا

اللہ اور اس کے رسولؐ سے جنگ کی یہ وعید دھمکی جو ربٰو کو نہ چھوڑنے والوں کے لئے اللہ نے اس آیت میں فرمائی ہے۔ ٹھیک اسی طرح کی وعید رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے مخابرہ کو نہ چھوڑنے والوں کے لئے بھی فرمائی ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ راوی ہیں کہ میں

دلیل علی منع المخابرۃ وھی اخذ الارض بنصف او ثلث او ربع ویسمی المزارعۃ و اجمع اصحاب مالک کلھم و الشافعی و ابوحنیفۃ واتباعھم وداؤد علیٰ انہٗ لایجوز دفع الارض علی الثلث والربع و لا علی جزو مما یخرج من الارض۔

ص ۳۶۷۔ ج ۳

نے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے سنا آپؐ نے فرمایا جو مخابرہ کو نہ چھوڑے اس کے لئے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ ہے۔ یہ حدیث مخابرہ کے ممنوع ہونے کی دلیل ہے اور مخابرہ نام ہے زمین کو کاشت کے لئے نصف، تہائی یا چوتھائی پیداوار پر لینا دینا اسی کا دوسرا نام مزارعت ہے۔ تمام مالکی علماء، امام شافعی، امام ابوحنیفہ اور ان کے کچھ متبعین اور داؤد ظاہری کا اس پر اجماع ہے کہ زمین کو پیداوار کے تہائی، چوتھائی اور کسی حصّہ پر دینا جائز نہیں۔"

علامہ القرطبی کی عبارت مذکورہ میں ایک تو اس بات کی تصریح ہے کہ مخابرہ ربوٰ کی طرح کا معاملہ ہے۔ دوسری اس بات کی تصریح کہ مخابرہ اور مزارعت ایک معاملہ کے دو نام ہیں جس کی حقیقت یہ ہے کہ زمین کو اس کی پیداوار کے ایک حصّہ پر کاشت کے لئے دینا لینا اور تیسری یہ تصریح کہ اس معاملہ کے عدم جواز پر امام مالک اور ان کے ماننے والے تمام علماء، امام ابوحنیفہ اور امام شافعی اور ان کے کچھ پیرو، نیز فقہ ظاہری کے امام داؤد متفق ہیں، بہر حال میرا دعویٰ کہ معاملۂ مزارعت، معاملہ ربوٰ سے مشابہ و مماثل معاملہ ہے علامہ ابن کثیر اور علامہ القرطبی کے مذکورہ بیانات سے بخوبی ثابت ہوتا ہے، گویا جو بات میں کہہ رہا ہوں یہ وہی بات ہے جو چوٹی کے بعض مفسرین قرآن اپنی تفسیروں میں لکھ چکے ہیں۔

جہاں تک میرے علم و مطالعہ کا تعلق ہے، مزارعت کے موضوع پر باقاعدہ لکھنے والے علماء کرام نے اپنی بحث و تحقیق کا دائرہ صرف حدیث و فقہ تک محدود رکھا ہے۔ کسی نے قرآن مجید کے حوالے سے اس پر بحث نہیں کی۔ حالانکہ اعتقاد اور دعویٰ ہمیشہ سے علماء کرام کا یہی رہا ہے کہ قرآن حکیم میں تبیان

انسانی کے ہر مسئلہ کے متعلق تفصیلی یا اجمالی ہدایت و رہنمائی ضرور موجود ہے۔ تفصیلی ہدایت و رہنمائی کا مطلب یہ کہ جزوی صراحت کے ساتھ اس مسئلے کا ذکر اور شرعی حکم مذکور ہے اور اجمالی ہدایت و رہنمائی کا مطلب یہ کہ اصول کلیہ اور مبادی عامہ کے ضمن میں اس کے متعلق ہدایت پائی جاتی ہے۔ میں نے اس دعوے کے مطابق کوشش کی ہے کہ سب سے پہلے مسئلہ مزارعت سے متعلق قرآنی ہدایت معلوم کی جائے۔ سو اس بارے میں اپنی علمی و فکری بساط اور طالب علمانہ جستجو کے مطابق جو کچھ قرآن مجید میں سے میں سمجھ سکا ہوں سطور بالا میں پیش کر دیا، یہ صحیح ہے یا غلط، یا کس حد تک صحیح ہے اور کس حد تک غلط؟ اس کا فیصلہ کھلے ذہن کے منصف مزاج علماء کرام ہی کر سکتے ہیں۔ بہرحال اگر کسی کو مجھ سے اتفاق نہ ہو اور وہ میرے نتائج غور و فکر کو صحیح نہ سمجھتا ہو اور ساتھ ہی اس کا یہ دعویٰ ہو کہ مزارعت ایک جائز و حلال معاملہ ہے تو اس پر لازم ہے کہ قرآن مجید سے کوئی دوسرا اصولی و کلی تصور پیش کرے۔ جس سے مزارعت کا جواز نکلتا ہو، یہاں محض یہ کہہ دینا صحیح اور کافی نہیں کہ چونکہ علمائے سلف اور فقہائے متقدمین نے اس مسئلہ کے بارے میں قرآن مجید سے استدلال ضروری نہیں سمجھا لہٰذا آج ہمیں بھی اس کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ علمائے سلف کے سامنے یہ مسئلہ اس طرح نہ تھا جس طرح آج ہمارے سامنے ہے اسی طرح ان کے زمانے میں نہ عام طور پر یہ دعویٰ تھا کہ قرآن مجید اصولوں کے لحاظ سے ایک جامع اور کامل کتاب زندگی ہے جس میں حیات انسانی کے ہر مسئلہ کے لئے کم از کم اصولی و کلی ہدایت ضرور موجود ہے اور نہ ان سے یہ مطالبہ تھا کہ مسئلہ مزارعت کے متعلق وہ حدیث کے ساتھ قرآن مجید سے بھی رہنمائی و روشنی پیش کریں اور کیونکہ آج یہ دعویٰ بھی عام ہے اور یہ مطالبہ بھی لہٰذا ہمارے لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ ہم مزارعت جیسے اہم مسئلہ کے متعلق حدیث نبوی کے ساتھ ساتھ قرآن مجید سے بھی کم از کم اصولی ہدایت ضرور پیش کریں اور یہ اس لئے بھی کہ آج کا قانونی ذہن کسی جزوی قانون کی صحت و عدم صحت اور اس کی نظری حیثیت کا تعین اس اصولی تصور سے کرتا ہے جس پر وہ جزوی قانون مبنی ہوتا ہے،

علاوہ ازیں کسی خاص مسئلہ کے متعلق جب احادیث و روایات میں اختلاف پایا جاتا ہو بعض سے اس کا جواز اور بعض سے عدم جواز مفہوم ہوتا ہو تو ایسی صورت میں اس اختلاف کو سلجھانے اور دور کرنے کا سب سے بہتر اور صحیح معیار قرآن مجید ہی ہوسکتا ہے۔ چنانچہ جو احادیث و روایات قرآن مجید کی اصولی ہدایتا کے مطابق ہوں ان کو بے چون وچرا اختیار کرلیا جائے اور جو مطابق نہ ہوں ان کو معقول توجیہہ و تاویل کے ساتھ ترک کر دیا جائے۔

میں نے اس کتابچے میں مباحث کی جو ترتیب مقرر کی ہے اس کے مطابق اب مجھے مزارعت کے بارے میں مرفوع احادیث پیش کرنی چاہئیں۔ یعنی وہ احادیث جن کا سلسلہ سند خود ہادئ برحق حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا اور جن کے اندر آپؐ کے کسی قول اور فعل کا بیان ہے کیوں کہ قرآن مجید کے بعد دوسرا درجہ مرفوع احادیث کا ہے۔ وہ قولی ہوں یا فعلی اور تقریری ہوں ان کے بعد موقوف احادیث اور آثارِ صحابہ کا درجہ آتا ہے۔

(جاری ہے)

(بقیہ صـ۵۶ "محاضرات قرآنی کی اجمالی رپورٹ)

اسلام سے بھی خطرہ ہے۔ پھر کیسی عجیب ہے یہ اسلام کی حکومت جس کو خود اسلام سے خطرہ لاحق ہو۔

مجھے نہیں معلوم کہ میرا یہ خط آپ تک پہنچے گا یا نہیں۔ کیونکہ جن لوگوں نے مجھے آپ تک پہنچنے نہیں دیا انہیں کے ہاتھ میں اس خط کو پہنچانے یا نہ پہنچانے کا اختیار بھی ہے۔ تاہم مجھے اطمینان ہے کہ موت کے بعد وہ مجھ کو اور آپ کو ملنے سے نہ روک سکیں گے۔ کیونکہ وہاں کسی کو کوئی اختیار حاصل نہیں۔"

والسلام

وحیدالدین

۲۷ مارچ - ۱۹۸۳ء